''دورتابعین میں قبول وردحدیث کا معیار''

ڈاکٹر ابرار محی الدین مرزا*

Abstract:

Hadith is a basic source of knowledge and of Muslim culture next to the Quran. No other nation of the world has such source of knowledge with them.

The Quran and Hadith in Muslim society are not recognised because they are written documents.But are trustworthy as they are accepted by Ummah from Holy Prophet to date.This consensus of the opinion of Muslim Ummah is called" Ijma" or "Tawatuar" as Ibn-e- Taimia said.

In the last period of the followers of Holy Prophet, some sectarianism had been genated in the Muslim society.The Muslim Scholars saved the Hadith from there influences . For this purpose art of Jarh wa Taadil, was introduced. Imam Ibrahim Nakha(96A.H) was the first who discussed some persons criticaly and rejected their Hadith.

In short, no scholor of this Era considered Hadith a doutful source of knowledge. This Article throws light on the ways of accepting Hadith in the time of Tabeen.

دین اصل میں ہمارے اُس کلچر اور ہماری اُن تہذیبی روایات کا نام ہے جس کی بنیاد قرآن اور اُسوہ رسول ﷺ پر ہے اور جو ہم تک تواتر زمانی سے بواسطہ صحابہ کرامؓ وتابعینؒ عظام پہنچا ہے اِس تہذیبی ورثہ کو دینی رنگ دینے میں اِن طبقات کو بڑا دخل حاصل ہے اِن دوطبقات نے جس حکم قرآنی ونبوی ﷺ کو جس حیثیت سے اور جس حد تک اپنی انفرادی واجتماعی زندگیوں کا جزو بنایا وہ مسلم تہذیب اور دین کا حصہ کہلایا۔

یہ دین ہم تک دوصورتوں میں پہنچا ہے۔ ایک تو صحابہؓ وتابعینؒ سے نسل درنسل تعامل کی شکل میں، دوسرے کتابی شکل میں۔ تعامل کی یہ صورت تواتر زمانی کہلاتی ہے۔ تواتری حیثیت سے پہنچنے والے کسی بھی حکم شرعی میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی دین اسلام کی تمام کی تمام کتب بشمول قرآن کریم اور کتب حدیث وسیرت کی حقانیت اور تمام عقائد واحکام کا مسلمہ ہونا دراصل تواتر زمانی کی بنا پر ہے اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ ہم اپنی مسلم روایات کی بناء پر ہاتھ دھو کر بسم اللہ پڑھ کر اور بیٹھ کر کھانا کھانا سُنّت سمجھتے ہیں اور اگر اِس کی خلاف ورزی کرتے بھی ہیں تو یہ خلاف ورزی سُنّت کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں۔ اب کھانا کھانے کا یہ انداز ہماری روایات کا

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔

حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث وسیرت کی کتابوں میں تحریری صورت میں بھی موجود ہے اگر کھانے کے اِس انداز کو ہم اپناتے ہیں تو اِس لئے نہیں کہ اِس کا ثبوت کتب حدیث میں تحریری صورت میں موجود ہے بلکہ اِس لئے کہ یہ ہماری روایات کا حصہ رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے بنا ہے جو تواتر عملی کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے اگر بالفرض کھانے کے اِس انداز کا بیان کتابی شکل میں نہ ملتا تو اِس کا مطلب یہ قطعاً نہیں تھا کہ ہم اِس پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہم اِس طریق اکل وشرب پر پھر بھی عمل کرتے اِس لئے کہ یہ رسول اکرم ﷺ سے تواتراً چلا آرہا ہے تواتر عملی کے مقابلے میں تحریر کی اِس ثانوی حیثیت کی بناء پر ہی امام ابن تیمیہ (728ھ) نے کہا'' **لو لم یخلق البخاری و مسلم لم ینقص من الدین شئی**''(1) ''**اگر بخاری اور مسلم نہ بھی پیدا ہوتے تو بھی دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی**'' امام ابن تیمیہؒ کی یہ بات بلاشک وشبہ درست ہے۔ اِس لئے کہ ہمارا دین اِن کتابوں کی وجہ سے نہیں بلکہ کتابیں دین اسلام کی وجہ سے ہیں اور دین تہذیبی روایات کے تواتر کا نام ہے۔

اِن دوطبقات کی اہمیت اِس بناء پر بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا طبقہ براہ راست رسول اکرم ﷺ کا تربیت یافتہ تھا۔ اِس بناء پر جتنا یہ لوگ مزاج اور دین رسول اکرم ﷺ کو سمجھنے والے تھے اتنا دین کو سمجھنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا پھر طبقہ تابعین کی اہمیت اِس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرامؓ کی صحبت مقدسہ کا نتیجہ تھے۔ اِس بناء پر یہ لوگ اصحاب رسول ﷺ کے مزاجوں اور اِن کے دینی فکر وفلسفے کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سمجھنے والے تھے یہی وجہ ہے کہ تفہیم دین کے لئے جتنا قرآن وسنت کو سمجھنا ضروری ہے اِس سے زیادہ اِن دوطبقات کو سمجھنا ضروری ہے اِن دوطبقات کو نظر انداز کر کے محض اپنی عربی دانی یا عقلی جولانیوں کے زور پر دین کو سمجھنے کا مطلب بے دینی ہے۔

اِن دوطبقات کی اِس اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کبھی دو روایات میں بظاہر اختلاف نظر آئے اور دونوں روایات اسوہ رسول ﷺ کا یکساں حصہ ہوں تو رفع اختلاف کی خاطر اِس بارے میں علماء اِن دو طبقات کے رجحانات کا جائزہ لیتے ہیں اور جس روایت پر ان کا عمل ثابت ہو جائے اِس روایت کو لے لیتے ہیں اور دوسری روایت کو اِن دوطبقات میں معمول بہ نہ ہونے کی بناء پر ترک کر دیتے ہیں۔ یہ اصول محدثین وفقہا کے ہاں مسلمہ ہے۔ جس کو صاحب سنن امام ابوداؤدؒ (275ھ) نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے۔'' **اذا تنازع الخبران عن النبی نظر الی ما عمل به اصحابه ومن بعده**''(2) ''اگر آپ ﷺ سے دو مختلف روایات ہوں تو اس روایت کو مدنظر رکھا جائے گا جس پر صحابہ کرام اور ان کے بعد عمل ہوا ہو'' اِس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ہمارا تحریری ذخیرہ علم غیر معتبر ہے۔ بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایک فرد کے لکھے ہوئے تحریری مواد کے مقابلے میں لاکھوں لوگوں

کا ایک کام کوسُنّت سمجھ کر بجالانا بلاریب واجب الترجیح ہے

ان دوطبقات کا اخذ وترکِ حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں کیا طرزعمل تھا یہ جاننا ضروری ہے۔اِس سلسلے میں ہم پہلے اپنے ایک مضمون میں دورصحابہ کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر پیش کر چکے ہیں یہاں ہم اس بارے میں تابعین ؒ کے طرزفکر کا جائزہ پیش کرینگے تابعینؒ کے دور کا جائزہ لینے سے پہلے ہم یہاں دورصحابہ کرامؓ کے رجحانات پراپنے پچھلے مضمون کی ایک تلخیص پیش کرتے ہیں۔

1. اصحاب رسول ﷺ کے ہاں روایت کا فن احادیث احکام تک محدود تھا۔جس کا بیان فرض خیال کیا جاتا تھا۔
2. روایت میں صحابہ کرامؓ ارسال سے بھی کام لیتے تھے۔اِس طرح کہ ہرصحابیؓ کے لئے اپنی دنیاوی مصروفیات کی بناء پرممکن نہ تھا کہ وہ ہرفرمان نبوی ﷺ کوزبان رسالت ﷺ سے براہ راست سنے جو لوگ براہ راست سنتے وہ دوسروں تک ان فرامین مقدسہ کو پہنچاتے تھے یہ ارسال روایت دورصحابہ کرام ؓ میں معروف تھا۔اس ارسال کی بناء پرکسی راوی کومجروح یاروایت کونا قابل قبول نہ سمجھا جاتا۔
3. حکم قرآنی اورمشاہدات عقلی سے متصادم روایات قبول نہ کی جاتیں۔
4. قبولیت روایت میں تثبیت روایت کا اہتمام ہوتا تھا اورصحابہ کرام ﷺ اِس بارے میں اپنا اپنا معیار قبولیت رکھتے تھے۔
5. روایت کی عدم موجودگی میں صحابہ کرامؓ اپنے ملکہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔
6. روایات میں امکان نسخ کا خیال بھی رکھا جاتا اوربعض فرامین مقدسہ کومستقل حکم شرعی خیال نہ کیا جاتا۔
7. دورفتن میں اخذوقبولیت روایت میں خاص احتیاط برتی جاتی۔(3)

فن حدیث کے سلسلے میں دورتابعین کرامؒ کی خصوصیات کے سلسلے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اُس دور میں علوم علیٰحدہ علیٰحدہ مدون کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔دورصحابہ کرامؓ میں کتابت حدیث کا رجحان یوں تھا کہ اس کتابت میں سنن ھدی کے ساتھ ساتھ سنن زوائد، رسول اکرم ﷺ کے تفسیری اقوال، واقعات سیرت ومغازی سب کچھ شامل ہوتا تھا دورتابعینؒ میں تفسیری اقوال اور واقعات سیرت ومغازی کوفن حدیث سے علیٰحدہ کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور اِن علوم پرعلیٰحدہ علیٰحدہ تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ یہ طرزعمل بیک وقت اُن تمام علاقوں میں شروع ہوا جن کی طرف صحابہ کرامؓ کی نقل مکانی نے اُن کوعملی مراکز کی حیثیت دے دی

۔ یہاں ہم دور تابعینؒ کی اُن چند اہم شخصیات کا اختصاراً ذکر کرتے ہیں جنہوں نے فن حدیث کے علاوہ سیرت و تفسیر کو اپنا موضوع بنا کر اِن علوم میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

دور صحابہ کرامؓ میں معرض وجود میں آنے والے مراکز میں مشہور ترین یہ ہیں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، عراق۔ جب کہ خراسان، یمن، مصر اور شام بھی قابل ذکر مراکز میں شامل ہیں۔

مرکز مدینہ منورہ

اِس مقدس شہر میں صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد مقیم رہی اور یہ شہر خلافت راشدہ میں سلطنت کا دارالخلافہ بھی رہا علاوہ ازیں امام الانبیا ﷺ نے اِس کو اپنا ابدی مسکن بنالیا اِس مرکز کے نامور لوگوں میں فن تفسیر کے حوالے سے عام طور پر جن لوگوں کے نام گنوائے جاتے ہیں اُن میں محمد بن کعب القرظیؒ (73ھ) حضرت ابوالعالیہؒ (93ھ) اور زید بن اسلم (136ھ) کے نام نمایاں ہیں ۔تاہم اُن کے علاوہ یہاں دیگر مشہور تابعین کرامؒ میں عروہ ابن زبیر (73ھ) ابان بن عثمانؒ (105ھ) وھب بن منبہ (114ھ) اور امام زھریؒ (123ھ)، کے نام بھی تاریخ کی زینت ہیں۔ اِن لوگوں نے حدیث سے لے کر تفسیر و سیرت پر بھی تحریری مواد چھوڑا ہے۔ اِس مرکز میں اِس کام کی ابتداء کا فخر حضرت عروہ ابن زبیرؒ (93ھ) کو حاصل ہے آپؒ نے نہ صرف حضرت عائشہ سے مروی ذخیرہ حدیث تحریری شکل میں چھوڑا تھا بلکہ آپؒ نے سیرت کو بحیثیت ایک علیٰحدہ علم کے مرتب کیا ہے۔(4) آپؒ کی سیرت و تاریخ کی مرویات کا بے شمار ذخیرہ المعجم الکبیر کی جلد اوّل اور تاریخ طبری جلد اوّل میں آج بھی موجود ہے آپ دور تابعینؒ میں مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے تھے حضرت عائشہ کے بھانجے اور عشرہ مبشرہ صحابہ کرامؓ میں حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے تھے۔

اس سلسلے میں مدینہ منورہ کی دوسری اہم شخصیت خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت ابان بن عثمان (105ھ) تھے آپؒ کے پاس مغازی رسول ﷺ سے متعلق تحریری ذخیرہ تھا۔(5)

مدینہ منورہ کی تیسری تاریخ ساز شخصیت امام محمد بن مسلم بن شھاب زھریؒ (123ھ) تھے۔فن حدیث و سیرت میں آپ کی خدمات مسلم تاریخ کا مسلمہ امر ہے ہماری تاریخ کے دو مسلم ائمہ محمد بن اسحٰقؒ (151ھ) اور موسیٰ بن عقبہ (141ھ) آپؒ کے شاگرد ہیں اور فن سیرت کو آپ ہی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں فن حدیث میں سلسلۃالذھب جس سند کو کہا جاتا ہے اس کے ابتدائی راوی آپؒ ہیں جو یوں ہے۔''عن الزھری عن النافع

عن عبد الله بن عمر '' گویا ان دونوں علوم، فنِ حدیث و سیرت کی بنیاد آپؒ ہیں

اِس مرکز کی چوتھی اہم شخصیت حضرت زید بن اسلمؒ (136ھ) ہیں آپؒ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ (74ھ) کے آزاد کردہ غلام تھے فنِ حدیث آپؒ کا اوڑھنا بچھونا تھا ہی تاہم آپؒ کی ایک تفسیر بھی تھی جسے آپکے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ بیان کرتے تھے۔(6)

وھب بن منبہؒ (114ھ) س مرکز کی ایک اور نابغہ روزگار شخصیت تھے آپؒ سے فنِ حدیث کے علاوہ سیرت کا بڑا مواد مروی ہے جس کی تفصیلات طبرانی کی المعجم الکبیر کی جلد اوّل میں موجود ہے پورے چار صفحات طبرانیؒ نے صرف آپؒ کی مرویات پر تحریر کئے ہیں۔

مکہ معظّمہ

مدینہ منورہ انوار نبوت ﷺ کا مستقل مرکز ہے تو مکہ معظّمہ انوار الٰہ کا مستقل مرکز اور مولد رسول ﷺ بھی ہے یہاں کی علمی سرگرمیوں کو بنیاد فراہم کرنے والے اصحاب رسول اکرم ﷺ میں حضرت عبداللہ ابن عباس (68ھ) جیسے ترجمان نبوت ﷺ بھی شامل ہیں دور تابعینؒ میں اس مرکز علمی میں بھی فن حدیث کے ارتقاء کے ساتھ فن تفسیر بھی ایک علیٰحدہ فن کے طور پر روشناس ہوا یہاں اس کی بنیاد رکھنے والے تابعی حضرت سعید ابن جبیرؒ (95ھ) تھے آپؒ نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خواہش پر ایک تفسیر لکھی تھی یہ تفسیر بعد ازاں حضرت عطا بن دینارؒ (126ھ) تک پہنچی وہ آپؒ سے روایت کیا کرتے تھے۔(7)

یہاں کے دوسرے بڑے عالم تابعی حضرت مجاہد ابن جبرؒ (102ھ) تھے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے تین مرتبہ تفسیر پڑھی۔ (8) آپؒ کے بارے میں طبریؒ نے ابن ابی ملیکہؒ (117ھ) کا بیان یوں نقل کیا ہے۔ کہ میں نے مجاہد کو حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر پڑھتے اور لکھتے دیکھا انہوں نے ابن عباسؓ کے حکم سے پوری تفسیر لکھی۔(9)

یہاں فن تفسیر کے سلسلے میں تیسری بڑی شخصیت حضرت عکرمہؒ (104ھ) ہیں حضرت ابن عباسؓ کے بری غلام تھے شعبیؒ (103ھ) کہا کرتے تھے کہ ہمارے زمانے میں کتاب اللہ کا کوئی عالم عکرمہؒ سے بڑا نہیں۔(10) مشہور مستشرق گولڈ زیہر نے حضرت ابن عباسؓ سے آپؒ کی تفسیری روایات کو ناقابل اعتماد کہا ہے۔ (11) گولڈ زیہر کا یہ طرزِ عمل اس کے استشراقی تعصّب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس قسم کی بحث

دیگر تابعینؒ پر بھی کی۔

عراق، (کوفہ، بصرہ)

مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی طرح عراق ایک بڑا علمی مرکز تھا سیّدنا علی المرتضیٰؓ (40ھ) کے دور میں جب کوفہ دارالخلافہ بنا تو یہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی ہوگیا۔کوفہ کی علمی حیثیت کے بارے میں ابوالبشر الدولابیؒ (310ھ) نے حضرت قتادہؓ (118ھ) کا قول نقل کیا ہے ''**نزل الکوفة الف و خمسون رجلا من اصحب ﷺ و اربعه و عشرون من اهل بدر**'' (12) ''آنحضرت ﷺ کے اصحاب کرامؓ میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرامؓ ان کے علاوہ چوبیس بدری صحابہ کرامؓ کوفہ تشریف لائے'' اِن میں عبداللہ بن مسعودؓ (32ھ) اور حضرت علیؓ بھی ہیں ان کی مصاحبت نے کوفہ میں ایک قابل ذکر علمی فضا پیدا کردی اس فضا نے بے شمار فقہا و محدثین پیدا کئے یہاں جن لوگوں نے حدیث کے علاوہ تفسیر و مغازی میں نام پیدا کیا ان میں چند کا ذکر کرتے ہیں۔

مرہ بن شراحیلؒ (90ھ) مرہ ہمدانیؒ کے نام سے مشہور تھے مخضرمین میں سے تھے متعدد اکابر صحابہ کرامؓ سے اکتساب علم کیا آپؒ کا زہد و تقویٰ ضرب المثل ہے آپؒ روزانہ پانچ سو نفل پڑھا کرتے تھے (13) حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ آپؒ تفسیر میں صاحب بصیرت تھے۔(14) عبداللہ ابن مسعودؓ کی بیشتر روایات ہماری کتب تفسیر میں انہی سے منقول ہیں جو ان کے شاگرد ''سدیؒ'' نقل کرتے ہیں سدیؒ فنِ تفسیر میں خاص ذوق رکھتے تھے علماء کی ایک بڑی تعداد ان کو ضعیف کہتی ہے تاہم امام بخاریؒ کا کہنا ہے کہ علوم قرآن میں سدی ؒ شعبیؒ سے بڑے عالم تھے۔(15)

سرزمین عراق کے تیسرے فرد داؤد بن ابی ھندؒ (139ھ) تھے ابن ندیمؒ نے لکھا ہے ''**له کتاب فی التفسیر**'' (16) سرزمین عراق کے ایک اور نامور تابعی عامر بن شراحیل الشعبیؒ (103ھ) ہیں آپؒ فن حدیث و فقہ کے متفقہ امام ہیں تاہم آپؒ نے مغازی و سیرت پر بھی کچھ مواد مرتب کیا تھا خطیب بغدادیؒ نے روایت کیا ہے کہ آپؒ ایک مرتبہ مغازی کا درس دے رہے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے سن کر فرمایا'' **کانه کان شاهداً معنا**''(17) ''گویا کہ آپ ہمارے ساتھ (شریک واقعہ) تھے''

ان علماء کے علاوہ دیگر علاقوں میں بھی علماء تابعین نے حدیث و تفسیر و سیرت کو علیٰحدہ علیٰحدہ مدون کیا تھا۔مثلاً بلخ میں مقاتل بن سلیمانؒ (150ھ) مشہور ہوئے ہماری کتب تفسیر میں ان کے حوالے کثرت سے آتے

ہیں ان کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے'' **الناس عیال علی مقا تل فی التفسیر** ''(18) یمن میں مشہور تابعی معمر بن راشدؒ (153ھ) تھے ابن ندیمؒ کا بیان ہے کہ آپؒ نے مغازی پر کتاب ترتیب دی تھی۔(19)

اسی طرح شام میں عاصم بن عمرؒ (120 ھ) تھے جو صاحب سیر و مغازی تھے۔(20) آپؒ کو امیر المومنین عمرؒ بن عبدالعزیز (101ھ) نے حکم دیا تھا کہ وہ دمشق کی جامع مسجد میں مغازی ومناقب صحابہ کرامؓ بیان کیا کریں۔(21)

خراسان میں ضحاک بن مزاحمؒ (105ھ) ان ائمہ اربعہ میں سے ہوئے ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن لکھی۔(22) یہاں کے دوسرے مشہور بزرگ عطا بن ابی مسلمؒ (135ھ) تھے جن کے بارے میں صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ انہوں نے بھی تفسیر لکھی تھی۔(23)۔

علوم کی تدوین میں اس نئی جہت کے باوجود فنِ حدیث کے سلسلے میں اخذ وترک روایت کے وہی اصول جو دور صحابہؓ میں متعارف ہوئے جوں کے توں باقی رہے اور ان سے انحراف نہ کیا گیا۔صحابہ کرامؓ ہر فرمان نبوی ﷺ کو واجب العمل خیال نہ کرتے تھے بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ بعض صحابہ کرامؓ اپنے ملکہ اجتہاد کی بناء پر اگر کسی روایت کو قابل عمل ٹھہراتے ہیں تو اس کے برعکس دوسری روایت کو بعض دیگر صحابہ کرامؓ قابل عمل سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے لیکن اس اختلاف کے باوجود کوئی فرد کسی دوسرے کے مسلک کو غلط نہ کہتا۔مثال کے طور پر ہمارے ہاں کے مشہور مسئلہ '' **فاتحہ خلف الامام** ''کے بارے میں اصحاب رسول ﷺ کے ہاں دونوں قسم رجحانات ملتے ہیں۔چنانچہ ابن عبدالبرؒ اندلسی (463ھ) اس بارے میں کہتے ہیں۔

'' **ان قرأت فلک فی رجال من اصحب النبی ﷺ اسوۃ واذا لھم تقرأ فلک فی رجال من اصحب رسول اللہ اسوۃ** '' (24) ''اگر تو پڑھنا چاہے تو تیرے لئے اصحاب رسول ﷺ میں اس بارے میں دلیل موجود ہے اور اگر نہ پڑھنا چاہے تو تب بھی اصحاب رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ تیرے لئے موجود ہے''۔

یہ صورتحال دور تابعینؒ میں بھی جوں کی توں رہی۔اصحاب رسول ﷺ کے شاگردوں نے اپنے اپنے اساتذہ کے مسلک ہی کو آگے بڑھایا اور جو جزوی اختلاف دور صحابہ کرامؓ میں صحابہ کرامؓ کے درمیان تھا وہ دور تابعینؒ میں بھی رہا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ تابعین کرامؒ جتنا اپنے اساتذہ کو جاننے والے تھے اتنا دوسرے علاقے کے اہل علم کو

جاننے والے نہ تھے یہی وجہ ہے کہ کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ ابراہیم نخعیؒ (94ھ)اوران کے معاصرین کے مذہب کے زیادہ پابند تھے اور اس سے کم ہی تجاوز کرتے تھے اور مدینہ میں امام زہریؒ وغیرہ اپنے اساتذہ کرام حضرت نافع (118ھ)اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ (94ھ) کے مسلک کو ترجیح دیتے (25)اہل مدینہ کا یہ طرز فکر آگے جا کر فقہ مالکی میں 'تعامل اہل مدینہ' کے نام سے قبولیت روایت کے سلسلے میں ایک اصول بن گیا۔

دور تابعینؒ میں صحت وقبولیت روایت کے معیار کے سلسلے میں ایک اور اصول بدرجہ اتم قائم رہا جو صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں پیدا کئے گئے فتنوں کی وجہ سے وجود میں آیا اور وہ یہ کہ راوی اور روایت دونوں کا اعرف ہونا ضروری تھا اس بارے میں سیدنا علیؓ کا ایک فرمان امام بخاریؒ نے یون نقل کیا ہے'' **حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ** (28)''لوگوں کے سامنے معروف روایت بیان کیا کرو کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اسکے رسول کو جھٹلایا جائے''غیر معروف روایت کو غریب تصور کیا جاتا تھا اور قبول نہ کیا جاتا تھا ابراہیم نخعیؒ (94ھ) کے بارے میں خطیبؒ لکھتے ہیں. '' **کانوا یکرھون غریب الکلام و غریب الحدیث**'' (29) ''آپ کلام اور حدیث کی روایت میں غرابت کو نہ پسند کرتے تھے'' چنانچہ اس سلسلے کی ایک مثال حدیث قلتین ہے جسے ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے اس روایت پر بحث کرتے ہوئے ابن قیمؒ (751ھ) نے دور صحابہ کرامؓ وتابعینؒ میں اس روایت کے غیر معروف ہونے اور قبول نہ کئے جانے کو ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حلال وحرام میں فیصلہ کن ہے۔لیکن دور صحابہ کرامؓ وتابعینؒ میں غیر معروف ہے اسے عبداللہ ابن عمرؓ کے دو شاگرد عبیداللہؒ اور عبداللہؒ روایت کرتے ہیں جبکہ آپ کے دیگر شاگرد روایت نہیں کرتے غسل، جنابت، عدد رکعات اور نصاب زکوۃ جیسے مسائل کے برابر اہم حدیث اس قدر غیر معروف کیوں رہی۔ یہ اس کے شاذ ہونے کی دلیل ہے(30) روایت مذکورہ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ (1176ھ) نے ابن قیمؒ کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہوئے ایک اور بات کہی ہے اور وہ یہ کہ ''عبیداللہ اور عبداللہ کی ثقاہت میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ ان علماء میں سے نہیں ہیں جن پر فتویٰ کا دارومدار لوگوں کا اعتماد تھا اس بناء پر یہ حدیث نہ سعید ابن مسیبؒ کے دور میں ظاہر ہوئی نہ زہریؒ کے زمانے میں اس پر مالکیہ نے عمل کیا اور نہ ہی احناف نے اسے قبول کیا (31) اُس دور میں اِس قسم کی غیر معروف حدیث کو شاذ کہا جانے لگا چنانچہ شعبیؒ نے اس قسم کی غیر معروف روایت کے لئے پہلی مرتبہ شاذ کا لفظ استعمال کیا پھر اس اصطلاح کا استعمال امام ابوحنیفہؒ نے بھی کیا۔ابن عبدالبرؒ (463ھ) اس بارے میں بیان کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ نے ایسی بہت سی احادیث کو جو ثقہ لوگوں سے مروی تھیں لیکن کتاب اللہ یا امت کے اجتماعی طرز عمل سے مطابقت نہ

رکھتی تھیں ان کو قبول نہ کیا اور ان کا نام شاذ رکھا (32) امام صاحبؒ کے بعد آپ کے شاگردوں نے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا چنانچہ قاضی ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔کہا کرتے تھے۔'' **ایاک و شاذ الحدیث و علیک الجماعة ما یعرفه الفقهاء ما یوافق الکتاب و السنة** ''(33)''شاذ حدیث کی روایت سے بچو اور اس روایت کو لیا کرو جو فقہا کے ہاں معروف ہیں اور کتاب وسنت سے موافقت رکھتی ہیں'' روایت حدیث میں یہ طرز عمل دور تابعین کے بعد بھی باقی رہا چنانچہ امام مالک حضرت ایوب السختیانی جیسے محدث تابعی کی روایت قبول نہ کرتے تھے اسلئے کہ ان کے بارے میں امام مالک کی معلومات محدود تھیں جب ان کے بارے میں علم ہوا تو پھر ان کی روایت قبول کرنے لگے (34) اسی طرح امام محمد (189ھ) نے امام مالک (179ھ) سے حدیث سنی اس کے باوجود اپنی تصنیف ''**کتاب الحجه علی اهل المدینه** ''میں ان کی مرویات کے مقابل اپنی روایات کو ترجیح دیتے ہیں یہ طرز فکر محدثین وفقہا کے ہاں بعد ازاں بھی یکساں مقبول رہا جس کا اندازہ بخاریؒ کی ابواب بندی سے ہوتا ہے جس میں دو ابواب امام بخاریؒ نے یوں باندھے ہیں ایک کا عنوان'' **باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر فهم بعض الناس عنه فیقعوا فی اشدمنه** ''اور دوسرے کا عنوان'' **باب من خص بالعلم قومادون قوم کراهیة لا یفهموا**'' (35)

ارسال روایت کی بنیاد دور صحابہ کرامؓ میں پڑی بھی تھا اس بناء پر دور تابعینؒ میں بھی اس کا چلن ہوا اس دور میں بھی کسی روایت کو مرسل روایت ہونے کی بناء پر ترک نہ کیا جاتا اور نہ ہی کسی مرسل روایت کو متصل السند روایت کے مقابلے میں کم ترین خیال کیا جاتا چنانچہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ دور تابعینؒ میں قبولیت مرسل کا رواج عام تھا اہل مدینہ سعید ابن مسیّب سے، اہل مکہ عطا ابن ابی رباحؒ سے اہل بصرہ حسن بصریؒ سے، اہل کوفہ ابراہیم نخعیؒ سے، اہل مصر سعید ابن ھلال (135ھ) سے اور اہل شام مکحولؒ بن عبداللہ (62ھ) سے مرسل روایات بیان کیا کرتے تھے اس کے ساتھ ہی سیوطیؒ لکھتے ہیں'' **ان التابعین اجمعوا علی قبول المرسل و ان الشافعی اوّل من ابا ه** ''(36)''تابعین کرامؒ مرسل روایت کو بالاتفاق قبول کرتے تھے سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس کی منطق قبولیت سے انکار کیا'' مرسل روایات کے اس عمومی ارسال میں خطیبؒ نے ایک تخصیص کی ہے اور وہ یہ کہ بعض تابعین کی مرسل روایات کے بالمقابل بعض تابعین کی روایات کو ترجیح دی جاتی تھی۔(37) فن روایت میں ایسا ہونا ایک فطری امر ہے ایسا دور صحابہ کرامؓ میں بھی ہوتا تھا کہ بعض صحابہ کرامؓ کی روایات کو بعض کی روایات پر ترجیح دی جاتی تھی یہ ترجیحی نقطہ نظر انسانی فطرت کے قریب تر ہے کہ وہ جس کو اعلم وافقہ سمجھتا ہو اس کی بات کو زیادہ اہمیت دیتا

ہے شاید اسی بنا پر اس دور میں اپنے علاقے کے اہل علم کی روایات و آراء کو ترجیح دینے کا عام رجحان تھا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے۔'' **اذا اختلف مذاهب لصحابة وا لتابعين فى مسئالة فالمختارعند كل عالم مذهب اهل بلده وشيوخه لانه اعرف اقاويلهم من السقيم و اوعىٰ الاصول المناسبة لها و قلبه اميل الى فضلهم و تبحرهم** ''(38)''جب صحابہ کرام اور تابعین میں کسی مسئلہ پر اختلاف منقول ہوتا تو بعد کے ادور میں مختلف شہروں کے علماء اپنے علاقے کے شیوخ کی روایات کو ترجیح دیتے تھے اس بنا پر کہ وہ ان کے اقوال میں صحیح اور غیر صحیح کو زیادہ جاننے والے تھے اور ان کو طبعی میلان اپنے شیوخ کی فضیلت اور انکی علمی گہرائی کی طرف تھے''

احناف کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ قیاس کو خبر پر ترجیح دیتے ہیں جب کہ قبولیت مرسل کے بارے میں احناف کے مسلمہ امام محمد بن احمد سرخسی (500ھ) احناف کا نقطہ نظر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس سے اس دور کے روایتی رجحان کا بھی اندازاہ ہوتا ہے چنانچہ سرخسیؒ کہتے ہیں''الدلائل التى دلت على كون الخبر الواحد حجة من الكتاب و السنة كلها تدل على كون المرسل حجة''(39)''قرآن وسنت سے جو دلائل خبر واحد کو حجت ثابت کرتے ہیں وہ سب مرسل روایت کو بھی حجت ثابت کرتے ہیں دور تابعینؒ کے اس عمومی طرز عمل کے مطابق امام ابوحنیفہؒ بھی مرسل کو قبول کرتے تھے اور مرسل ہونا ان کے ہاں رد روایت کی وجہ نہیں ہوتا تھا۔''**كتاب الآثار امام محمد** ''میں امام محمدؒ بواسطہ ابوحنیفہؒ حضرت حسن بصریؒ سے حدیث قھقھہ بیان کرتے ہیں (40) یہ روایت طبرانیؒ اور دارقطنیؒ میں مرفوعاً موجود ہے لیکن وہاں راوی متکلم فیہ ہیں گویا یہ روایت یا تو مرسل ہے یا مرفوعاً مروی ہے تو راوی ضعیف ہیں اس بناء پر ابن قیمؒ نے کہا کہ تمام محدثین اس روایت کے ضعف پر متفق ہیں (41) یہ روایت قیاساً بھی قابل قبول نہیں ہے اس لئے قھقھہ سے نماز کا ٹوٹنا تو قابل فہم ہے وضو کا ٹوٹنا بالائے فہم۔ اس تمام ترک کے باوجود امام ابوحنیفہؒ نے اس روایت کو من وعن قبول کر کے اسے ناقص وضو قرار دیا ہے۔

مرسل کے بارے میں یہ طرز عمل دور تابعینؒ کے بعد بھی رہا۔ چنانچہ مؤطا میں امام مالکؒ نے امام زہریؒ سے متعدد مرسل روایات نقل کی ہیں یہ بات تعجب انگیز ہے کہ بعد کے ادوار میں اِس فن حدیث نے جب کتابی شکل اختیار کی تو اسلاف کا یہ متفقہ طرز عمل نہ صرف مطعون ٹھہرا بلکہ اسلاف بھی مطعون ٹھہرائے گئے چنانچہ امام زہریؒ کے بارے میں لکھا ہے''ارسال الزهرىؒ ليس بشئى ''(42)''مرسل الزهرى شر من مرسل

غیرہ ''(43)حسن بصریؒ اورعطاابن رباحؒ کے بارے میں کہاجانے لگا''و لیس فی المرسلات اضعف من مرسلات الحسن و عطا بن ابی رباحؒ(44)

دورتابعینؒ میں مرسل ہی نہیں بلکہ بلاغی روایات بھی قبول کی جاتی تھیں(بلاغی روایت ایسی روایت کو کہتے ہیں جس کے لئے سند کی ضرورت نہیں ہوتی وہ لکھی ہوئی مل گئی اورتحریر سے پتہ ملا کہ یہ فلاں محدث کی تحریر ہے اس پر اس کو بیان کرنا کافی سمجھا اس کو آج کی زبان میں وجادہ بکسر الواو کہتے ہیں ابتدائی دور کی کتب حدیث ''**کتاب الآثار مؤطا، کتاب الحجه علی اهل المدینه**''میں بے شمار مرسل اور بلاغی روایات کی موجودگی اس دورتک اخذوردحدیث کے منہج کی نشان دہی کرتی ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں اُمت میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھلا اوراحادیث میں تکذیب کا رجحان چلاتو اس بارے میں جوبھی تحقیقی اقدامات کئے گئے سب کا منتہٰی ومقصداتبعوھم باحسان تھااس مقصد کی خاطر صحابہ کرامؓ میں اخذوردحدیث ہوتا تھا۔یہی فکردورتابعینؒ میں بھی رہی۔صحابہ کے اسی فکر کو بنیاد بنا کر دورتابعینؒ میں صحیح اور غیر صحیح احادیث کا تعین شروع ہوا۔اس دور میں جو حدیث صحیح مانی گئی وہ بعدازاں بھی صحیح مانی گئی اور جوضعیف تھی وہ بعد ازاں بھی ضعیف ہی تسلیم کی گئی۔جیسا کہ ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے احادیث کا صحیح ہونا بخاریؒ ومسلمؒ کی روایت پر ہی موقوف نہیں ہے۔ بلکہ یہ احادیث بخاریؒ ومسلمؒ کے وجود پذیر ہونے سے پہلے ہی صحیح اور امت میں مقبول تھیں(45)دورتابعینؒ میں صحت حدیث کا مطلب قبولیت حدیث تھا صحت وقبولیت دومختلف باتیں نہ تھیں بلکہ ایک ہی بات کے دو یکساں جملے تھے جومل کر مفہوم کی تکمیل کرتے تھے تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دور میں صحت و قبولیت کا معیار کیا تھا؟اس سوال کے جواب کی تلاش میں جب کتب کی ورق گردانی کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دور تابعینؒ میں سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کے صحیح یا غیر صحیح کا تصور پیش کیا ہے اور اس لفظ کو بحیثیت اصطلاح کے استعمال کیا ہے اس سلسلے میں ابن عبدالبرؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے دواقوال نقل کئے ہیں ایک قول کا پس منظر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا محرم شلوار پہن سکتا ہے فرمایا نہیں پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر اس کے پاس شلوار تو ہو لیکن چادر نہ ہو تو کیا کرے فرمایا شلوار بیچ کر ان پیسوں سے چادر خرید لے سائل نے کہا کہ ایسی صورت میں ایک حدیث بھی موجود ہے جس سے شلوار کے استعمال کی اجازت ملتی ہے۔جواب دیا''لم یصح فی هذا عندی عن رسول اللّٰه ﷺ''اس کے بعد امام صاحب نے وہ روایت جس پر آپ کے فتوی کا مدار تھا یوں بیان کی'' **وقد صح عندنا ان رسول اللّٰه ﷺ قال لا یلبس المحرم السراویل**''(46)

''ہمارے نزدیک اس معاملے میں صحیح روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کے محرم شلوار نہ پہنے'' امام صاحب کے اس جواب سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ سائل کی بیان کردہ روایت کا آپ کو علم تھا لیکن وہ آپ کے نزدیک صحیح نہ تھی یہاں ایک سوال قدرتی طور پر ابھرتا ہے کہ آثار صحیحہ یا حدیث صحیح کا معیار کیا تھا چنانچہ فن حدیث میں جب امام ابو حنیفہؒ کے مختلف اقوال کو دیکھتے ہیں تو تعین حدیث صحیح کی شکل یوں بنتی ہے۔

1. دور تابعینؒ کے دستور کے مطابق امام صاحبؒ مرسل کو متصل کی طرح قبول کرتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا اس سے پتہ چلا کہ ان کے ہاں مرسل روایت بھی صحیح یا واجب العمل ہو سکتی تھی۔
2. امام صاحبؒ حدیث شاذ کو قبول نہیں کرتے حدیث شاذ کا مفہوم بھی امام صاحبؒ کے حوالے سے ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور وہ ہے کہ وہ قرآن یا امت کے اجتماعی طرز عمل سے مطابقت نہ رکھتی ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن یا امت کے اجتماعی طرز عمل سے مطابقت نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔
3. امام صاحبؒ اہل بدعت سے بالخصوص شیعہ سے روایت کے قائل نہیں اور ایسے فرد کی روایت بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جو حکمرانوں کے ہاں حصول دولت کے لئے جاتا ہو(47)
4. امام صاحب کے ہاں صحت وقبولیت روایت کی بڑی شرط یہ تھی کہ اسے ثقہ راوی ثقہ راوی سے روایت کرے(48)
5. امام صاحبؒ اُس حدیث کو لیتے تھے جو مشاہدات عقلیہ کے خلاف نہ ہو یا ایسا مفہوم مراد لیتے جو مفہوم مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ آپؒ نے حدیث''**البیعان بالخیار**'' کو مشاہدات عقلیہ کے مطابق مفہوم کی شکل میں قبول کیا ہے چنانچہ ابن عبدالبرؒ(463ھ) کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہؒ نے ابوحنیفہؒ سے حدیث بالا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر بائع اور مشتری بحری جہاز میں سفر کر رہے ہوں تو افتراق کیسے ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے اِس طرز فکر کو اگرچہ سفیانؒ نے قبول نہ کیا اور کہا کرتے تھے''**کان ابو حنیفہؒ یضرب لحدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم الامثال**'' (49)''کہ ابوحنیفہ حدیث رسول کے مقابلے میں مثالیں بیان کیا کرتے تھے'' یاد رہے کہ مفہوم حدیث کے تعین کا یہ منہج دور صحابہ کرامؓ میں ترجمان نبوت حضرت ابن عباسؓ کا تھا چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت کو ابن عباسؓ نے قبول نہ کیا تو اِس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی

فرمایا تھا''یا ابن اخی اذا سمعت عن رسول اللہ صلّی علیه واله وسلم حدیثافلا تضرب له الامثال''(50)

امام صاحبؒ کی قائم کردہ ان تنقیحات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں صحت وقبولیت حدیث کا جومعیار سامنے آیا اسکی تفصیلات کچھ یوں ہیں۔

1. پہلی شرط صحت وقبولیت یہ ہے کہ وہ روایت قرآن وسنّت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔
2. اس کا راوی اہل بدعت سے نہ ہواور نہ ہی طامع ہو۔
3. صحت وقبولیتِ حدیث میں اتصال شرط نہیں۔
4. مفہوم حدیث مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔
5. اس کوروایت کرنے والے لوگ ثقہ ہوں

خلاصہ بحث یہ کہ دورتابعینؒ میں اس قسم کی روایت صحیح اور قابل قبول ہوتی تھی صحت حدیث اور قبولیت حدیث دوعلیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں نہ تھیں تاہم بعد کے ادوار میں حدیث صحیح کی لفظی تعریف کی بحث شروع ہوئی (اس بحث کی ابتدا کب سے ہوئی اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا شاید مشکل ہے) تو اس کے ساتھ یہ بات بھی زیر بحث آئی کیا ہر صحیح حدیث کا واجب العمل ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حدیث صحیح کی مروجہ تعریف سب سے پہلے غالباً خطابی احمد بن محمدؒ (388ھ) صاحب اعلام السنن شرح بخاری وصاحب معالم السنن شرح ابوداود نے کی جو یوں ہے''الصحیح ما اتصل سنده وعدلت نقلته''(51)''صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہواور جس کے نقل کرنے والے عادل ہوں''جب کہ دوسری مشہور تعریف یہ ہے'' الحدیث الصحیح فهو الحدیث المسند الذی یتصل اسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط الی منتهاه ولایکون شاذً ولا معلا (52) '' کہ صحیح وہ مسند حدیث ہے جسکو آخر تک عادل اور ضابط راوی عادل اور ضابط راوی سے روایت کرے اور وہ شاذ اور معلل بھی نہ ہو''مؤخرالذکر تعریف سب سے پہلے کس نے کی اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا شاید مشکل ہوا تاضرور ہے کہ اس میں ولا یکون شاذاً ولا معلاً کا جملہ خطابیؒ کی تعریف میں نہیں ہے اس سے اندازہ ہوا کہ خطابیؒ نے یہ شرطیں صحت حدیث کے لئے ضروری نہیں قرار دیں تاہم اس تعریف پر مشہور محدث ابن دقیق العیدؒ (702ھ) کے حوالے سے یہ اعتراض نقل کیا گیا ہے کہ شاذ اور معلول ہونے کی شرط غیر ضروری ہے''ان اصحاب الحدیث زادوا ذلک فی حد الصحیح

قال فيه نظر على مقتضى نظر الفقهاء ''(53)''صحیح کی لفظی حد بندی میں محدثین نے یہ اضافہ کیا ہے جو فقہاء کے نقطہ نظر سے نا قابل قبول ہے'' اس لفظی نزاع کو پھر ایک مسئلے نے بڑھا دیا اور وہ یہ کہ حدیث صحیح کی خواہ مذکورہ بالا تعریفوں میں سے کوئی ہو۔ کیا ان تعریفوں پر پورا اترنے والی ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی یا نہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابن الصلاح ؒ(643ھ) عراقی ؒ(806ھ) کے حوالے سے کہتے ہیں'' ليس من شرطه ان يكون مقطوعاً في نفس الامر .....وليس من الاخبار التي اجمعت الامة على تلقيها بالقبول (54)''کہ صحیح کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنی صحت کے باوجود دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔۔۔۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ان روایات میں سے ہو جس کی قبولیت پر امت کا اتفاق ہو جب کہ ایسی صحیح روایت کے بارے میں سیوطی ؒ کہتے ہیں'' ليس كل صحيح يعمل به بدليل منسوخ ''(55) یہ سوال جب امام ابن تیمیہ ؒ کے ہاں اٹھا تو انہوں نے صحت حدیث کی ان تمام شرائط کو ایک طرف رکھ کر یہ کہہ دیا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری ؒ و مسلم ؒ نے روایت کیا ہے تو اس کی حیثیت اس سے کوئی مختلف نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ قرآن کو قرأ سبعہ نے روایت کیا ہے قرآن متواتر امنقول ہے قرآن کا قرآن ہونا قرأ سبعہ کی روایت پر موقوف نہیں ہے ایسے ہی احادیث کا صحیح ہونا بخاری ؒ و مسلم ؒ کی روایت پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ احادیث بخاری ؒ و مسلم ؒ کے وجود پذیر ہونے سے پہلے ہی صحیح اور امت میں مقبول تھیں (56) امام ابن تیمیہ ؒ کی اس بات سے پتہ چلا کہ صحت کے لئے قبولیت شرط ہے چنانچہ یہی بات امام صاحب ؒ نے ایک اور مقام پر وضاحت سے یوں کی'' و من الحديث الصحيح ماتلقاه المسلمون بالقبول فعملوا به كما عملوا بحديث الغرة في الجنين و كما عملوا با حاديث النفقة و احاديث سجود السهو لان الامة تلقته بالقبول تصديقاً وعملاً بموجبه والا مة لا تجتمع على الضلالة '' (57)''حدیث صحیح وہ ہے جسکو مسلمان قبول کرتے اور اس پر عمل کرتے ہوں جیسا کہ انہوں نے حدیث غرہ پر نفقہ کی حدیث پر عمل کیا امت نے ان کو قبول کیا اور اس پر عمل واجب سمجھا اور امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی'' اس سے پتہ چلا کہ صحت حدیث کے لئے روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہونا امام ابن تیمیہ ؒ کے ہاں شرط ہے سیوطی ؒ بھی اس بارے میں ابن تیمیہ ؒ کی تائید کرتے ہیں۔(58) اس ساری تفصیل سے مقصود یہ واضح کرنا تھا کہ تعریفوں کی بھر مار نے تعمیل حدیث کے سلسلے میں ایک ایسا مسئلہ پیدا کیا جس سے حدیث کے تعمیلی تقاضوں میں رکاوٹ پیدا ہوئی جب کہ یہ صورتحال دور تابعین ؒ میں نہ تھی اس لئے کہ ان کے ہاں صحت حدیث کا مطلب قبولیت

حدیث بھی تھا جس پر عمل ضروری تھا۔

دور تابعین میں روایت حدیث کے سلسلے کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جس طرح دور صحابہ کرامؓ میں روایت بالمعنی کا عمومی رجحان تھا تاہم بعض صحابہ کرامؓ روایت باللفظ کا اہتمام کرتے تھے اور روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے (59) تابعین کرامؒ میں بھی یہ ملا جلا رجحان یکساں ملتا ہے وہ ائمہ بھی تھے جو روایت بالمعنی کرتے تھے اور وہ بھی جو روایت باللفظ کے قائل تھے چنانچہ ترمذیؒ کہتے ہیں'' کہ ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ اور شعبیؒ روایت بالمعنی کے قائل تھے (60) اس بارے میں ابن سیرینؒ کے طرز عمل کو اِن الفاظ میں ترمذیؒ نے یوں نقل کیا ہے'' میں ایک حدیث کو دس الفاظ میں سنتا جبکہ مفہوم ایک ہی ہوتا تھا'' (61) جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ہے کہ آپؒ روایت لفظی کو ترجیح دیتے تھے''کان ابو حنیفہؒ لا یری ان یری من الحدیث الاما حفظہ ''(62) خطیب بغدادیؒ نے بھی امام ابوحنیفہؒ کی اس شرط کا ذکر کیا ہے۔(63)

دور صحابہ کرامؓ میں اگرچہ تثبیت فی الروایت کا اہتمام ہوتا تھا بعض اوقات صحابیؓ اپنے دیگر ساتھی صحابیؓ کی روایت قبول نہیں بھی کرتے تھے اس عدم قبولیت کی وجوہات عموماً دو ہوتی تھیں اوّل یہ کہ صحابیؓ نے آنحضورﷺ کے ارشاد کے مفہوم کے تعین میں غلطی کی ہو یا پھر یہ کہ روایت میں اس سے سہو ہو گیا ہو علاوہ ازیں اس دور مقدسہ میں ارسال روایت سے بھی کام لیا جاتا تھا اس لئے کہ دنیاوی مصروفیات کی بناء پر یہ ممکن نہ تھا کہ ہر صحابیؓ ہر فرمان رسول اکرم ﷺ کو نطق رسول اکرمﷺ سے سنے چونکہ یہ مقدس لوگ حالت کفر میں بھی جھوٹ بولنے کے تصور سے نا آشنا تھے اس بناء پر کسی فرد پر جرح کا تصور نہ تھا۔تاہم بیان میں سہو یا تعیین مفہوم میں غلطی کا حکم لگایا جاتا تھا۔دور تابعینؒ میں کوفہ میں'' **کذب فی الحدیث**'' کا فتنہ بہت بڑھ چکا تھا جس کو سبائیوں، رجعتیوں اور قاتلین عثمان نے جنم دیا تھا اور اس شیطانیت کا ابلیس اوّل عبداللہ ابن سبا تھا:۔''**کان عبداللہ ابن سباء اوّل من اظھر ذلک**''(64) اس فتنہ میں کوئی صحابیؓ یا عالم تابعیؒ ملوث نہ تھا اس بناء پر دور تابعینؒ میں روایت حدیث میں دو کام مزید دیکھنے میں آئے ان میں ایک یہ تھا کہ روایت کے ساتھ سند کا اہتمام کیا گیا اس سلسلے میں سب سے پہلے جس شخصیت نے اہتمامِ سند کیا وہ امام زہریؒ ہیں **اوّل من اسند الحدیث ابن شھاب**''(65) امام ابن سیرینؒ کے قول سے بھی اندازہ ہوتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ فتنہ (شہادت عثمانؓ) سے پہلے ہم سند حدیث نہ دیکھتے تھے اس کے بعد سند کا اہتمام ہوا اہل سنّت کی حدیث کو قبول کیا جاتا اور اہل بدعت کی روایت کو ترک کر دیا جاتا تھا (66) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام مراکز علمی میں اہتمام سند ہونے لگا تھا اس لئے کہ زہریؒ مدینہ سے تعلق رکھتے تھے تو ابن

سیرینؒ بصرہ کے مرکز علمی سے متعلق ہے۔

کوفہ کے اہل علم کو یہاں ایک اعزاز حاصل ہے کہ سند کے اہتمام کے ساتھ ساتھ یہاں جرح وتعدیل کی بناء بھی پڑی چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے جس نے جرح کی وہ ابراہیم نخعیؒ (96ھ) تھے ان کی جرح مقدمہ مسلم میں ان الفاظ میں موجود ہے ''**ایاکم و المغیرہ ابن سعید و ابا عبدالرحیم فانھما کذابان**'' (67) اس طرح ابراہیم نخعیؒ نے حارث ابن اعور (65ھ) کے بارے میں کہا ہے ''**ان الحارث اتھم**'' (68) حالانکہ حارث اگرچہ علم الفرائض میں حضرت علیؓ کے شاگرد تھے اور مشہور تابعی شعبیؒ کے استاد تھے چونکہ رجعتی تھے اس لئے ابراہیم نخعیؒ جیسے کے ہاں قابل قبول نہ تھے اپنے اسلاف کے اس فن کو اس دور میں امام ابوحنیفہؒ نے مزید آگے بڑھایا اور آپؒ نے جابر جعفی کو جھوٹا راوی قرار دیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر امام ابوحنیفہؒ نے یہ اصول اپنایا کہ سوائے شیعہ کے فرق ضالہ میں سے عادل کی روایت لو اہل شیعہ کی روایت نہ لو اور اس فرد سے بھی روایت نہ لینا جو حکمرانوں کے ہاں دولت کی خاطر جاتا ہو۔ (69)

دور تابعینؒ میں شروع ہونے والا یہ علم جرح وتعدیل اگرچہ حسن نیت اور خدمت دین کی بناء پر تھا اور اس کا استعمال بھی اکثر محتاط ہی ہوتا تھا تاہم انسان ہونے کے ناطے بعض تابعینؒ بعض کے بارے میں قطعی طور پر بلا دلیل بھی طعن کر جاتے تھے اس کی چند تفصیلات سیّد مودودی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جو انہوں نے ابن عبدالبرؒ کی جامع بیان العلم کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ سیّد مودودی لکھتے ہیں۔

''حمادؒ جیسے بزرگ اہل حجاز پر طعن کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اہل حجاز کے پاس علم نہیں ہے تمہارے بچے بھی ان سے زیادہ عالم ہیں یہ حمادؒ ابراہیم نخعیؒ کے شاگرد اور ابوحنیفہؒ کے استاد ہیں امام زہریؒ اہل مکہ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں اہل مکہ سے زیادہ اسلام کا نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں۔ شعبیؒ اور نخعیؒ دونوں کوفی ہیں لیکن ایک دوسرے پر چوٹ کیا کرتے تھے۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ رات کو ہم سے مسائل پوچھتا ہے اور صبح لوگوں کے سامنے اپنی طرف سے بیان کر دیتا ہے جب کہ ابراہیم نخعیؒ کہا کرتے ہیں کہ وہ (شعبیؒ) کذاب ہے مسروقؒ سے روایت کرتا ہے حالانکہ وہ مسروقؒ سے ملا بھی نہیں ضحاکؒ تابعی ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ تک کے بارے میں کہہ گئے کہ ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں سعید ابن جبیرؒ شعبیؒ پر جھوٹ الزام لگاتے ہیں امام ابوحنیفہؒ اپنی تمام تر جلالت علمی کے باوجود اعمشؒ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس نے نہ کبھی رمضان کا روزہ رکھا نہ غسل جنابت کیا وجہ صرف یہ تھی کہ اعمشؒ الماء من الماء کے قائل تھے (70) یہ طرز عمل ہمیں بعد کے علماء میں بھی خوب دکھائی دیتا ہے امام بخاریؒ

نے اپنی کتاب ''الضعفاء والمتروکین'' میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ سے دومرتبہ ان کے کفر پر توبہ کا مطالبہ کیا گیا اسی طرح امام زہریؒ پر یحییٰ ابن معینؒ، سعید بن القطانؒ اور امام شافعیؒ نے تنقید کی (71) یہ طرز عمل آج اس قدر بڑھ چکا ہے کہ جس کا جب جی چاہتا ہے کسی بھی حدیث کے کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل کی کتابوں میں سے کسی ایک صاحب کے قول کو بنیاد بنا کر حدیث کی صحت وضعف کا فیصلہ کرنے بیٹھ جاتا ہے حالانکہ اس فن جرح وتعدیل میں قبولیت جرح کے علمائے اُمت نے کچھ اصول مقرر کئے تھے۔جن میں ایک اصول ابن عبدالبرؒ نے یوں بیان کیا ہے۔ '' **و الصحیح فی هذا الباب ان من صحت عدالته وثبتت فی العلم امانته و بانت ثقته لم یلتفت فیه الی قول احد الاان یاتی فی جرحته ببینة عادلة تصح بها جرحته علی طریق الشهادات**'' (72) ''اس معاملے میں صحیح بات یہ ہے کہ جن کی عدالت صحیح ہو اور علمی امانت ثابت شدہ ہو اور اس کی ثقاہت واضح ہو اس کے بارے میں کسی کے (منفی) قول کی پرواہ نہیں کی جائیگی جب تک کہ وہ شہادت کے اصولوں کے مطابق اپنی جرح پر واضح دلیل نہ دے''

اس دور میں دومراکز پر تدوین حدیث کا کام ہوا ایک مدینہ میں اور دوسرے کوفہ میں۔مدینہ میں تدوین حدیث کا کام امام زہریؒ نے کیا امام زہریؒ ان لوگوں میں سے جو محدثین ومؤرخین کے امام مانے جاتے ہیں۔ مؤرخین میں موسیٰ بن عقبہؒ (141ھ) اور محمد بن اسحٰقؒ (150ھ) دونوں امام زہریؒ کے شاگرد ہیں فقہاء میں اوزاعی، مالک، لیث اور ابوحنیفہؒ کے استاد ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (101ھ) نے اپنے دور خلافت میں متعدد اہل علم کو ذخیرہ روایات اکٹھا کرنے کا حکم دیا جن میں امام زہریؒ اور حاکم مدینہ ابوبکر ابن حزمؒ (135ھ) بھی شامل ہیں حضرت عمرؒ نے کیا کچھ لکھنے کا حکم دیا مؤطا امام محمد کے الفاظ یہ ہیں ''**انظر ما کان حدیث رسول اللہ ﷺ او سنته او حدیث عمر او نحو هذا**'' (73) ''حدیث رسول اور آپکی سنتوں اور حضرت عمر کی روایت اور اس جیسی دیگر چیزوں کو اکٹھا کرو'' اس کام میں امام زہریؒ کا ساتھ دینے والے دوسرے تابعیؒ ابوالزنادؒ (132ھ) تھے وہ کہتے ہیں ''**کنا نکتب الحلال والحرام و کان الزهری یکتب کل ما سمع**'' (74) ''کہ ہم حلال وحرام سے متعلق مسائل لکھا کرتے تھے جبکہ امام زہری جو بھی سنتے لکھ لیتے تھے'' یہی ابوالزنادؒ کہتے ہیں کہ یہ سارا تحریری سرمایہ صرف **خلیفة المسلمین** کے سامنے پیش ہوا تو خلیفہ نے وہاں **فقهاء** کو اکٹھا کیا اور اس تحریری سرمایہ کی جانچ پڑتال کرائی جس میں دو چیزوں کو سامنے رکھا گیا۔

1. کوئی ایسی روایت نہ لکھی جائے جو روایت معمول بہ نہ ہو۔'' **رأیت عمر بن عبدالعزیز جمع الفقهاء**

فجمعوا له اشیاء من السنن فاذا جاء الشئی الذی لیس العمل به علیه قال هذه زیادة لیس العمل علیها "(75) "میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیکھا کہ انہوں نے فقہاء کرامؒ کو جمع کر کے (سنتوں پر مشتمل) تحریری سرمایہ اُن کے سامنے (جائزے کے لیے) رکھا (اِس جانچ پرکھ میں) جب کوئی ایسی بات سامنے آئی جس پر عمل ثابت نہ ہوتا تو آپؒ امیرالمومنین کہتے یہ زائد (سنن زوائد) کی قبیل سے ہے کہ اس پر عمل ثابت نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قبول روایت کا دوسرا اصول طے کرایا جو یوں ہے ''انہ لا رای لاحد فی کتاب وانما رای الائمۃ فیما لم ینزل فیہ کتاب اللہ ولم تمض بہ سنۃ من رسول اللہ ولا رای لاحد فی سنۃ رسول اللہ'' (76) ''قرآن کے مقابل کسی کی رائے قبول نہیں ائمہ کی رائے وہاں قبول ہے جہاں قرآن وسنّت خاموش ہوں سنّت کے بالمقابل بھی کسی کی رائے قبول نہیں'' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرکاری ونجی سطح پر طرز فکر یہی تھا کہ معمول بہ روایات، وہ خواہ آنحضور ﷺ سے منسوب ہوں، یا صحابہ کرامؓ سے، یا قانونی تعبیرات میں ائمہ کی آرأ ہوں سے، انہی کو علمی سرگرمیوں کا مرکز خیال کیا جاتا تھا۔

تدوین کا دوسرا مرکز کوفہ تھا یہاں تدوین کا کام ابوحنیفہؒ کے استاد عامر بن شراحیل الشعبی (103ھ) نے کیا آپؒ نے پانسو صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد کی موجودگی میں بھی آپؒ صاحب فتاوی تھے (77) آپؒ نے باقاعدہ فقہی ترتیب کے لحاظ سے احکام طلاق پر ایک کتاب ترتیب کی۔ چنانچہ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں ''ابن ابی ذئب (159ھ) نے مدینہ منورہ میں مؤطا کے نام سے مؤطا امام مالک سے بھی بڑا نسخہ مرتب کیا ابوا ب کے لحاظ سے جمع حدیث کی مثال ان سے پہلے شعبیؒ کی ہے (78) یاد رہے کہ شعبیؒ کا سن وفات (103ھ) ہے اور امام زہریؒ کا (144ھ)۔ اس لحاظ سے شعبیؒ امام زہریؒ سے بھی پہلے کے ہیں اور شعبیؒ کی علمی حیثیت یہ تھی کہ علماء سے روایت حدیث کی اجازت لینے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مشہور تابعی عاصم الاحولؒ (127ھ) کہتے ہیں ''میں نے شعبیؒ کے سامنے فقہ کی احادیث پڑھیں اور آپؒ نے ان کے بیان کی اجازت دی (79) شعبیؒ کے بعد کوفہ میں تدوین حدیث کے کام کو ان کے شاگرد ابوحنیفہؒ نے آگے بڑھایا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا طریق تعلیم املائی تھا اور آپؒ کے پاس کافی ذخیرہ حدیث تحریری شکل میں تھا۔ آپؒ کے شاگرد اور مشہور محدث عبداللہ ابن مبارکؒ (181ھ) کہتے ہیں ''میں نے متعدد بار ابوحنیفہؒ کی کتابوں سے لکھا (80ھ) آپؒ کے تحریری سرمایہ میں'' کتاب آلاثار'' بھی ہے جس کی روایات کی تعداد 916 ہے یہ سب کی سب احادیث احکام پر مشتمل ہیں۔ جسے آپؒ سے آپؒ کے چاروں شاگردوں امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ اور امام حسن بن زیادؒ نے روایت کیا ہے۔ ''کتاب

الائمه بروایات ''امام محمدؒ کے بارے میں ابن حجرؒ کہتے ہیں''**الموجود من حدیث ابی حنیفه مفرداً انما هو کتب آلاثار التی رواها محمد** "(81)''امام ابوحنیفہ سے مروی روایات کا ایک مجموعہ کتاب آلاثار کے نام سے امام محمد نے روایت کیا ہے''امام احمد بن حنبلؒ (241ھ) جب طلبِ حدیث کے لئے نکلے تو قاضی ابو یوسفؒ سے اس نسخے کا سماع کیا چنانچہ ابن جوزیؒ (597ھ) نے پسند متصل امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے'' **اوّل من کتبت عنه الحدیث ابو یوسف**'' (82) **ابن حجر عسقلانیؒ** نے ''**کتاب آلاثار**'' کے رجال کا تحریری سرمایہ چھوڑا ہے جو ''**الایثار لمعرفه رواة آلاثار**'' کے نام سے ''**کتاب آلاثار**'' کے ہاتھ پر چھپا ہوا ہے۔

دور تابعین میں فن حدیث کے سلسلے میں بعض تابعین کرام مختلف المعانی احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے تا کہ مختلف احادیث کا اختلاف دور کیا جا سکے اور کچھ تابعین مختلف روایات میں سے اپنے ذوق کے مطابق جس پر چاہتے عمل کر لیتے دور تابعین کا یہ منہج فی الحدیث صحابہ کرامؓ کے منہج کے مطابق ہی تھا بعض صحابہ کرام بھی روایات میں تنوع کی بناء پر اپنے اپنے اجتہادی ذوق کے مطابق جس روایت پر چاہتے عمل کرتے تھے اور بعض مختلف روایات میں تطبیق پیدا کرتے ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اختلافِ روایت اور تطبیق بین الروایات تابعینؒ کے دور میں بھی تھا اسی سلسلے میں ہم ترمذیؒ سے چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

i. امام ترمذیؒ کی'' **فی القبلة وضو** '' کے اثبات پر حضرت عائشہؓ سے دو روایات بیان کرتے ہیں۔ایک ابراہیم تیمیؒ سے ہے۔جب کہ دوسری **بواسطه وکیع عن الاعمش عن حبیب ابن ثابت عن عروه عن عائشه بیان کرتے هیں** ''**ان النبی ﷺ قبل بعض نسائه ثم خرج الی الصلوٰة ولم یتوضاء** ''اس روایت کو بیان کر کے ترمذیؒ لکھتے ہیں'' **قد روی نحو هذا عن غیر واحد من اهل العلم من اصحٰب النبی و التابعین** ''پھر اس کے بعد کہتے ہیں ہمارے اصحابؓ روایت اوّل الذکر کے قائل نہیں ہیں اس لئے کہ امام بخاریؒ کا کہنا ہے کہ حبیب ابن ثابتؒ کا سماع حضرت عروہؓ سے ثابت ہے (83) ہم یہاں اِس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ حبیبؒ کا سماع حضرت عروہؓ سے ثابت ہے یا نہیں۔ بات یہ ہے اس مسئلے میں مختلف علاقے کے تابعینؒ کا مسلک مختلف ہے۔

ii. امام صاحبؒ'' **ترک جهر بسمله**'' اور'' **اثبات جهر بسمله**'' کے دو ابواب،''**ابواب**'' **الصلوٰة عن النبی ﷺ**'' کے تحت قائم کرتے ہیں۔ان میں **ترک جهر بسمله** کی روایت بیان کر کے کہتے ہیں''**والعمل علیه عند اکثر اهل العلم من اصحب النبی منهم ابو بکر عمر و عثمان وعلی و غیرهم ومن**

بعد هم من التابعین ''پھر دوسرے باب میں'' **اثبات جهر بسمله**'' کی روایت بیان کر کے کہتے ہیں'' **قدقال بهذا عدة من اهل العلم من اصحٰب النبی منهم ابو هریرہؓو ابن عمرؓو ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ ومن بعدهم من التابعینؒ** (84)اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصحاب رسول اکرم ﷺ کے درمیان جو روائتی یا تعاملی اختلاف تھا وہ دور تابعینؒ میں بھی رہا۔

تطبیق روایات

فقہاء صحابہؓ اپنے ملکہ فقاہت سے کام لے کر مختلف روایت کو باہم تطبیق دیتے۔جیسا کہ عبداللہ ابن عباسؓ نے آپ ﷺ کے حج سے متعلق روایات کو تطبیق دی۔(85) صحابہ کرامؓ کے اس طرز عمل کی پیروی کی مثالیں دور تابعینؒ میں بھی ملتی ہیں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا طرز عمل یہی تھا کہ آپؒ کی کوشش ہوتی کہ مختلف روایات بیک وقت عمل کی راہ نکالی جائے تو کسی ایک روایت کی بناء پر کسی دوسری روایت کا انکار نہ ہو سکے آپؒ کے ہاں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن میں ہم ایک دو مثالیں یہاں بیان کرتے ہیں۔

1. دعوتِ اسلام قبول کرنے میں ابتداء کس محترم شخصیت نے کی۔اہل تاریخ اس بارے میں مختلف الخیال ہیں کسی کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت علی مرتضٰیؓ ہیں تو کسی نے اس سوال کے جواب پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام لیا ہے۔ان تمام تفصیلات کو بیان کر کے ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں پیش کیا گیا تو انہوں نے ان تمام روایات میں مطابقت یوں پیدا کی۔'' کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ،خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ،غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن ثابتؓ اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی مرتضٰیؓ نے اسلام قبول کیا۔(86)

2. نماز فجر کھڑی ہو جائے تو فجر کی سنتیں کب اور کہاں پڑھی جائیں ہمارے اسلاف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے کہ اس بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں مثالیں ملاحظہ ہوں۔

i. امام مسلمؒ نے جماعت شروع ہو جانے کے سلسلے میں ایک حدیث قاعدہ کلیہ کے طور پر حضرت ابو ہریرہؓ سے یوں روایت کی ہے۔ '' **عن ابی هریرہؓ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلوٰة فلاصلوٰة المکتوبه**'' (87)۔اِس فرمان رسول اکرم ﷺ کے مطابق جماعت کھڑی ہو جانے پر کسی قسم کے نوافل نہیں پڑھی جاسکتیں۔

ii. امام بخاریؒ نے فجر کی نماز کے سلسلے میں ایک حکم رسول اکرم ﷺ یوں بیان کیا ہے یہ روایت بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرمان رسول اکرم ﷺ ہے۔'' **من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح** ''(88)اِس فرمان رسول اکرم ﷺ کے مطابق انفرادی یا اجتماعی نماز صبح پڑھنے پر اگر سورج نکلنے سے پہلے ایک رکعت بھی مل جائے تو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

iii. نماز فجر کے سلسلے میں ایک اور حدیث امام بخاریؒ نے حضرت ابوسعید الخدریؓ کے حوالے سے یوں بیان کی ہے کہ آنحضور اکرم ﷺ نے فرمایا''**لاصلوٰۃبعد الصبح حتیٰ تر تفع الشمس** ''(89)اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نماز صبح (فرض) پڑھنے کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک کوئی اور نماز نفل یا سنن وغیرہ نہیں پڑھتے جا سکتے اس مؤقف کی تائید ترمذیؒ کی ایک روایت بھی کرتی ہے۔جس میں صحابی رسول ﷺ قیس بن فہدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے نماز صبح پڑھی۔(جماعت کے بعد) میں نے سنتیں پڑھیں۔جس پر رسول اکرم ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ'' کیا دو نمازیں ایک دم چھوڑ دو؟''۔عرض کیا حضور اکرم ﷺ میں نے صبح کی دو سنتیں پڑھیں تھیں۔جس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔'' پھر بھی نہیں'' یاد رہے کہ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے'' **با ب ماجاء فیمن تفوته الرکعتان قبل الفجر یصلیها بعد صلو ة الصبح** '' میں بیان کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قیسؓ کی سنتیں رہ گئیں تھیں۔(90)

iv. مذکورہ مفہوم کی ایک اور روایت بھی ہے جس کو امام ترمذیؒ ہی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔'' **من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلها بعد ما تطلع الشمس**'' (91)

v. یہاں یہ بھی یاد رہے کہ سنن میں سب سے زیادہ تاکید آنحضور اکرم ﷺ سے سنن فجر کے بارے میں منقول ہے اس بارے میں امام ابوداؤدؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا''صبح کی سنتیں نہ چھوڑو خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔(92) جب کہ خود حضور اکرم ﷺ کا عمل بھی یوں ہی تھا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔کہ حضور اکرم ﷺ نوافل میں سے فجر کی سنتوں کا سب سے زیادہ اہتمام فرماتے۔(93)

vi. حضرت عبداللہ بن مالکؓ نماز صبح سے پہلے صبح کی سنتیں پڑھ رہے تھے آپ ﷺ کا گذر ہوا دیکھا۔تو ارشاد فرمایا اس نماز کو ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں جیسا نہ بناؤ ان میں کچھ فاصلہ کرو۔(94)

vii. آثار میں عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ نماز صبح کے لئے نکلے۔جماعت کھڑی ہو چکی تھی آپؓ نے راستے ہی میں دو سنتیں پڑھیں بعد ازاں مسجد میں آکر جماعت میں شامل ہوئے۔(95)

اب ان مذکورہ بالا تمام روایات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے۔

1. جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد کسی قسم کی سنن کی اجازت نہیں جیسا کہ حدیث اوّل ہے۔
2. دوسری روایت بتاتی ہے کہ جماعت صبح کی ایک رکعت بھی مل جائے تو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔
3. تیسری روایت یہ بتاتی ہے کہ فجر کی جماعت/نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک کسی قسم کے نوافل کی اجازت نہیں ہے ترمذیؒ کی قیس بن فہدؓ والی روایت بھی اس کی تاکید کرتی ہے۔
4. چوتھی روایت یہ بتاتی ہے کہ اگر فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھی جاسکیں تو ان کو طلوع سورج کے بعد پڑھا جائے۔
5. پانچویں روایت بتاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ فجر کی سنتوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے حضرت عائشہؓ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔
6. چھٹی روایت میں نہایت وضاحت سے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ فجر کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے۔
7. آثار میں سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جماعت کے قیام کا سن کر مسجد سے باہر ہی سنتیں پڑھتے اور جماعت میں شامل ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام روایات باہم متضاد نظر آتی ہیں اس کا حل ہمارے علماء کے ہاں مختلف ہے ابن حزمؒ (456ھ) اس کا حل یہ بتاتے ہیں کہ ''**اذا تعارض الحدیثان ..... ففرض علی کل مسلم استعال کل ذلک**'' (96) تعامل سنّت کی حد تک تو یہ انداز فکر قابل فخر ہے لیکن جب حیات اجتماعی میں آپ ہر کسی کو اِس حدیث پر عمل کی اجازت دے دیں گے تو نظام قانون کی عمارت بھی منہدم ہوجانے کا شدید خطرہ ہوگا اور معاشرے میں اجتماعیت کے مفقود ہونے کا خطرہ بھی پیدا ہوگا اور پھر ہوائے نفس کا ہر سوار معاشرتی بے لگامی پیدا کردے گا۔ اور اگر شوکانیؒ کا نقطہ نظر لیا جائے کہ ''**لا تنعقد صلوٰۃ تطوع فی وقت اقامۃ الفریضہ**'' (97) تو پھر متعدد احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ اس کے برعکس ایک نقطہ نظر اور ہے کہ دو مختلف احادیث میں باہم مفاہمت کی راہ نکالی جائے چنانچہ یہ وہ مؤقف ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں پسندیدہ ہے کہ کسی ایک روایت کی بناء پر دوسری کسی روایت کا انکار جب کہ باہم مفاہمت ہوسکتی ہو تعمیل سنت کے کما حقہ تقاضوں کے خلاف ہے چنانچہ امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا یہی اصول بیان کیا ہے ان تمام روایات کو امام صاحب باہم تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ اگر کوئی نماز

کے لیے آئے اور اس نے صبح کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اور اسے ایک رکعت جانے کا اندیشہ ہو اور دوسری رکعت ملنے کی امید ہو تو اسے اجازت ہے کہ مسجد کے دروازے کے پاس صبح کی سنتیں پڑھ لے اور اگر دونوں رکعتوں کے جانے کا اندیشہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ دے اور طلوع شمس کے بعد پڑھے (98)

صاحب ہدایہ نے ''**باب ادراک الفریضه**'' میں اسے مختار کیا ہے اور کاسانیؒ نے بھی امام صاحبؒ کا یہی مسلک بیان کیا ہے اس صورتحال میں تمام آثار میں باہم مطابقت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہے تطبیق روایات کی صورت جسے امام ابوحنیفہؒ اپناتے ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تطبیق بین الروایات اور ترجیح بین الروایات کا جو اصول صحابہ کے دور میں متعارف ہوا تھا تابعین کے دور میں بھی جوں کا توں رہا۔

کوفہ اور روایت حدیث میں احتیاط

اُس دور میں مدینہ اور کوفہ بڑے علمی مراکز گنے جاتے تھے مدینہ منورہ کا علمی مرکز ہونا ظاہر ہے آنحضور اکرم ﷺ کا ابدی مسکن ہے اور خلافت راشدہ میں حضرت عثمانؓ کے دور تک دارالخلافہ بھی رہا۔ قرآنی احکام کے نزول نے یہاں کی فضا کو ایسا تقدس عطا کیا کہ جس کی مثیل نہیں ملتی اس لئے حضرت علی مرتضیٰؓ کا کہنا ہے'' **فضل المدینة ثابت لا یجناح الی اقامة دلیل خاصة** '' (99) جب کہ کوفہ کی علمی شان بھی بڑی تھی امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے ایک ہزار پچاس جن میں چوبیس بدری تھے کوفہ میں آکر آباد ہوئے (100) اس شہر کو عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ جیسے لوگ میسر آئے علم النحو، علم التجوید، علم کلام، علم فقہ کی اساس اس شہر میں رکھی گئی اس سلسلے میں تفصیلات کے لئے دیکھئے ان دو شہروں کی علمی حیثیت کا اندازہ امام مالکؒ کے اس قول سے ہوتا ہے جو آپؒ نے ایک شامی سے اس وقت کہے جب اس نے آپؒ سے علمی اختلاف کیا آپؒ نے فرمایا '' **متی کان هذا الشان بالشام انما هذا الشان وقف علی اهل المدینة و الکوفة** '' (101) ''تم شامیوں کی یہ حیثیت کہاں، یہ حیثیت تو اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے لئے مختص ہے'' کوفہ فن حدیث کا آشنا بڑا مرکز تھا کہ امام بخاریؒ جیسے امام حدیث کو یہاں کے لئے متعدد سفر کرنا پڑے۔ خود فرماتے ہیں۔

'' **لا احصی کم دخلت الی الکوفة مع المحدثین** '' (102) ''مجھے نہیں یاد کہ میں محدثین کے ساتھ طلب حدیث کے لیے کتنی مرتبہ کوفہ گیا ہوں'' **مقدمه فتح الباری** '' میں عسقلانیؒ نے 29 صحابہ کرامؓ کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے ہیں جو مستقل کوفہ آباد ہوئے اور ہمارے ایک استاد محترم کے مطابق صحابہ کرامؓ کے

علاوہ بخاریؒ کے دیگر راویوں میں صرف کوفہ کے راوی تین سو سے زیادہ ہیں۔کوفہ میں روایت حدیث میں اس حد تک احتیاط برتی جاتی کہ مرفوع کو موقوفا یا مقطوعا روایت کیا جاتا تھا کوفہ میں ایسا اس شہر کی شورش زدگی کی بناء پر تھا چنانچہ ابراہیم نخعیؒ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے''انہوں نے مرفوعہ کو موقوفہ کا درجہ دیا۔جب ان سے ایک روایت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور روایت (مرفوعہ) آپؒ کو معلوم ہے کہا ہاں لیکن میں یوں کہوں گا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے یوں کہا یا علقمہؒ نے یوں کہا اسی طرح جب شعبیؒ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے فرمایا نہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد روایت کو کسی بہتر فرد کی طرف منسوب کردوں اب اگر کمی یا زیادتی ہوگی تو ان پر رہے گی (103)۔اب اس کے ہم چند شواہد پیش کرتے ہیں

i. بلوغ المرام میں مس ذکر کی وجہ سے عدم وضو کی روایت مرفوعاً یوں ہے کہ ایک صاحب نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا مس ذکر کے بعد وضو دوبارہ کیا جائے تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا'' **لا انما هو بضعة منک** ''(104) اب اسی روایت کو امام محمدؒ نے موقوفاً اپنی سند سے یوں روایت کیا'' **محمد قال اخبرنا ابو حنیفه عن حماد عن ابراهیم عن علی بن ابی طالب فی مس الذکر انه قال ما ابا لی ا مسته لهم طرف انفی** ''(105) دونوں روایات کا تقابل بتاتا ہے کہ بات ایک ہی ہے سیّدنا علی مرتضیٰؓ اپنے طور پر اتنے وثوق سے ایک بات نہیں کہہ سکتے ان کے علم میں یقیناً فرمان نبوی ﷺ ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ سیّدنا حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضور اکرم ﷺ کا حوالہ دیا ہو لیکن کوفہ کے طرز روایت کی بناء پر امام محمدؒ نے اسے موقوفاً روایت کیا ہو۔

ii. امام مسلمؒ نے'' **باب من احق بالامامة** ''میں ایک روایت ان الفاظ میں (مرفوعاً) یون روایت کی ہے'' **قال رسول الله یوم القوم اقرؤهم لکتاب الله فان کانوا فی القراة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدهم بالهجرة فان کانو ا فی الهجرة سواء فاقدمهم مسلماًو فی روایة سناً**'' (106) اس روایت کو امام محمدؒ نے''کتاب آلاثار ''میں'' **باب الرجل یوم القوم لا یوم الرجلین** '' میں اپنی سند سے انہی الفاظ کے ساتھ ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا ہے۔

iii. بخاریؒ نے ایک نماز ظہر کے وقت کے سلسلے میں ایک روایت مرفوعاً یوں بیان کی ہے۔کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا۔'' ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم '' (107)۔اِسی روایت کو امام محمدؒ نے اپنی''کتاب الآثار ''میں حضرت عمرؓ سے (موقوفاً) اس الفاظ میں بیان کیا ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا۔''ابر دوا بالظھر من فیح جھنم''(108) یہاں الفاظ میں معمولی فرق دکھائی دیتا ہے تو اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ دور صحابہ کرامؓ کی طرح دور تابعینؒ میں بھی روایت بالمعنیٰ کا چلن تھا اس تقابلی مطالعہ کے تحت اس قسم کی سینکڑوں مثالیں سامنے آسکتی ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ کوفہ کے علاوہ مراکز میں جو روایت مرفوعاً روایت کی جاتی تھی وہ کوفہ میں احتیاط کے نقطہ نظر سے موقوفاً روایت کی جاتی۔

یہ تھے اخذ وقبولیت کے وہ رجحانات جو دور تابعینؒ میں دور صحابہ کرامؓ کا تسلسل ہیں اِن میں جزوی اختلاف بھی ہوا کرتا تھا۔جیسا کہ دور صحابہ کرامؓ میں تھا تاہم یہ اختلافات فرمان نبویﷺ ''اختلاف امتی رحمۃ' کی علمی تفسیر تھے چنانچہ اس بارے میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں'' صحابہ کرامؓ وتابعینؒ اور ان کے بعد کے لوگ بسملہ پڑھتے تھے اور نہیں بھی پڑھتے تھے بعض بسملہ میں جہر کرتے تھے اور بعض نہیں بھی کرتے تھے ان میں بعض فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے بعض کا طریقہ یہ تھا کہ پچھنے،نکسیر اور قے میں وضو کرنا ضروری سمجھتے تھے بعض وضو کرنا ضروری نہیں سمجھتے بعض شرمگاہ کو ہاتھ لگانے اور شہوت کے ساتھ عورتوں کو چھونے پر وضو کرنا ضروری سمجھتے تھے بعض ضروری نہیں سمجھتے بعض آگ پر پکے ہوئے کھانے کھانے پر اور اونٹ کا گوشت کھانے پر وضو ضروری کہتے تھے بعض ضروری نہ سمجھتے تھے اس کے باوجود یہ لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے.(109)

یہ تھی ایک عمومی صورت دور تابعینؒ میں ردوقبول حدیث کی کہ اپنی روایت پر عمل کرنے کے باوجود دوسرے مسلک کی روایات ان کے طرز عمل کو غلط خیال نہ کرتے تھے مسلم معاشرے میں پھیلائے گئے مذہبی، سیاسی اور لسانی تعصّبات کے خاتمے کے لئے اسلاف کا یہ طرز عمل اصلاح احوال کے لئے ازبس ضروری ہے۔

یہ تھے وہ چند رجحانات جو ہمیں اخذ وروایات کے ضمن میں دور تابعینؒ کے علمی ماحول میں رواں دواں دکھائی دیتے ہیں صحابہ کرامؓ کے بعد کا یہ دور کائنات انسانیت کا ایک ایسا عظیم الشان درجہ ہے۔اِن دونوں ادوار میں ہمارے اسلاف نے تمسک بالعلم، باہمی احترام اور للّٰہیت کے اصولوں پر کسی صورت آنچ نہ آنے دی تھی اِن دونوں ادوار میں امت مسلمہ اِس قسم کے اندرونی مسائل سے دوچار نہ تھی جیسے آج ہے۔اس صورتحال میں اہل علم کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسلاف کے طرز فکر کے مطابق اپنے تمام تر اختلافات میں اختلاف کی اِس حقیقی روح کو مدنظر رکھیں اور

اپنے انتشار وافتراق کوختم کر کے وحدت اُمت کا سوچیں اس دور کے اختلاف میں تمسک بالعلم، باہمی احترام، معاشرتی اتحاداور للّٰہیت تھی جب کہ آج کے انتشار میں یہ عناصرِ اربعہ ختم ہو گئے ہیں اور مسلکیت رہ گئی ہے جس کا نتیجہ زوال کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

یہ حکمت ِ ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

کتابیات

۱. ابن تیمیہؒ اما، احمد بن عبد الحلیم ، (م 728ھ)'منهاج السنة النبویه فی نقص کلام الشعبه و القدریه' 58/4، المکتبة الا میریه بیولاق مصر .

۲. ابو داؤدؒ، امام ، سیلمان ابن اشعت ، (م 275ھ) ،السنن لا بی داؤد، باب من قال لا تقطع الصلوۃ شئی.

۳. فکر و نظر (اسلام آباد)، شمار نمبر 4جلد 43اپریل جون 2006،''عہد صحابہؓ میں ردّو قبولیت حدیث کا معیار ''

۴. خطیب بغدادی ،احمد بن علی (م 463ھ)''الکفایہ فی علم الروایۃ'' ص 205.دائرہ المعارف النظامیہ حیدرآباد، دکن ہند 1357ھ

۵. ابن سعد،محمد بن سعد، امام (م 230ھ)، ''الطبقات الکبری،105/5، دارصادربیروت لبنان 1405ھ۔

۶. ذہبی ، محمد بن احمد، شمس الدین، (م748ھ) ''تذکرۃ الحفاظ '' ترجمہ 23،125/1مجلس دائرۃ المعارف العثانیہ حیدرآباد دکن ہند.

۷. عسقلانیؒ ، احمد بن علی ابن حجرؒ (م 852ھ)''تھذیب التھذیب'' 199/7، دارلفکر لطباعۃ و النشر والتوزیع بیروت 1404ھ.

۸. ایضاً

۹. طبری، محمد بن جریربن یزید(م 310ہ)، امام، ''تاریخ الامم والملوک'' 90/1 مطبعہ الا ستقامۃ بالقاھرہ مصر 1358ھ

۱۰. تھذیب التھذیب'' 266/7

۱۱. گولڈ زھر،مذاھب التفسیر الاسلامی ،مترجم عربی ڈاکٹر عبد العلیم بجار'' ص 95

۱۲. الدولابی، محمد بن احمد(م310ھ) حافظ ''کتاب الکنی والا سماء'' 174/1طبعہ حیدر آباد دکن ہند.

۱۳. ''تھذیب التھذیب'' 88/10

۱۴. الذھبی ، محمد بن احمد '' شمس الدین''(م 748ھ) ''تھذیب الا سماء'' 123/2

۱۵. بخاری محمد بن اسماعیل ، امام (م256ھ)'' ''التاریخ الکبیر'' 361/1دارالکتب علمیہ بیروت لبنان.

۱۶. ابن ندیم، محمد بن اسحاق (م385ہ)'' ''الفھرست'' ص 33 المکتبہ التجاریہ الکبری شارع محمد علی قاھرہ مصر 1398ھ

۱۷. خطیب بغدادی'' ''تاریخ بغداد'' 230/12

۱۸. ایضاً '' 78/14

۱۹. الفہرست'' ص94

۲۰. الدینوری ،محمدبن عبداللہ بن مسلم'' ابن قتیبہ''(276ھ) ''المعارف'' ص 166

۲۱. تہذیب التہذیب، 54/5

۲۲. الفہرست لا بن ندیم '' ص 34

۲۳. حاجی خلیفہ ، مصطفی بن عبداللہ (م 1067ھ) کاتب چلپی ''کشف الظنون عن ااسای الکتب الفنون'' ص 453، دارالکتب العلمیہ بیروت1987

۲۴. ابن عبدالبرؒ یوسف بن عبدالبرؒ ،(م 463ھ)، ''جامع بیان العلم و فضلہ'' ص 98/2 دارالفکر لطباعۃ والنشر والتوزیع

۲۵. جامع الترمذی ، ابواب الصلوۃ عن رسول اللہﷺ'' باب اسفار الفجر.

۲۶. ایضاً باب ماجاء فی ترک الجھر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

۲۷. ولی اللہؒ ، شاہ ، قطب الدین احمد، (م 1176ھ) حجۃ اللہ البالغہ ، ص 356/1ادارہ طبعۃ المنیر یۃ لشارع الازھر قاھرہ مصر 1352.

۲۸. الجامع الصحیح للبخاری ، کتب العلم، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراھیۃ ان لا یفھموا

۲۹. خطیب بغدادیؒ احمد بن علی، ابوبکرؒ (م463ھ) ''الکفایۃ فی العلم الروایۃ''، ص 141

۳۰. ابن قیمؒ، محمد بن ابی بکرؒ ،الجوزی (م 751ھ) ''تہذیب السنن''، ص 62/1مطبع انصار السنۃ للحمدیہ

۳۱. ولی اللّٰہ شاہ ،حجۃ اللّٰہ البالغہ ، ص 359/1

۳۲. ابن عبدالبرؒ یوسف بن عبدالبرؒ اندلسی (م463ھ)، ''الا نتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثہ الفقہاء' ص ,184المکتبۃ الضفوریۃ ، کراچی.

۳۳. ابو یوسفؒ قاضی ، یعقوب بن ابراھیمؒ (م 182ھ) الردعلی سیرالاوزاعی) دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن ھند.

۳۴. ابوزھرہ، محمدابوزھرہ، مالک حیاتہ و عصرہ وآرائہ و فقھہ'' ص 216دائرۃ الفکرالعربی بیروت 1377ھ.

۳۵. الجامع المسند الصحیح''، کتاب العلم''

۳۶. سیوطی ، علامہ، جلا الدین ،(م911ھ)"تدریب الراوی مع تقریب" ص 123،میر محمد کتب آرام باغ کراچی.

۳۷. الکفایة فی علم الروایة ، ص 387

۳۸. حجة الله البالغه ، ص 354/1

۳۹. سرخیؒ ، امام محمد بن احمد، (م 483ھ) "اصول سرخیؒ، ص 360و202، دارالمعارف النعمانیه ، مکتبه مدنیه، اردو بازار لاهور.

۴۰. شیبانیؒ ، امام ، محمد بن الحسن (م189ھ) ، " کتاب الآثار" 'باب القهقه فی الصلوة وما یکره منهما"

۴۱. ابن قیمؒ جوزیؒ ، محمد بن ابی بکرؒ (م751ھ)،"اعلام الموقعین عن کلام سید المر سلین، ص 82/1 المکتبه التجاریه الکبری شارع محمد علی مصر 1374ه.

۴۲. الکفایة فی علم الروایه ص 382

۴۳. تدریب الراوی ، ص 125

۴۴. تدریب الراوی، ص 124

۴۵. "منهاج السنه النبویه" ص 58/4

۴۶. الا نتقاء فی فضائل الا ئمة الثلاثة الفقهاء ، ص 259

۴۷. الانتقاء، ص 564

۴۸. الکفایة فی علم الروایة ص 136

۴۹. الا نتقاء ، ص 276

۵۰. السنن لا بن ماجه" باب الوضوء مما غیرت النار

۵۱. احمد محمد شاکر ، " الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث" ، ص 32مکتبه دارالسلام، ریاضْ

۵۲. تدریب الراوی، ص23

۵۳. ایضاً

۵۴. عراقیؒ زین الدینؒ ، عبدالرحیم بن الحسینؒ (م 806ھ) ، "التقیید والا یضاح لما اطلق و اغلق من مقدمه ابن الصلاح" ض 24، المکتبه لتجاریه مصطفی احمد الباز، مکه مکرمه، 1384ھ.

۵۵. تدریب الراوی مع تقریب، ص 24

۵۶. منهاج السنة النبویه ﷺ ، ص 58/4

۵۷. ابن تیمیہؒ ، امام ، احمد بن عبدالحلیم، (م728ھ). "محموعه فتاوی شیخ الاسلام ، ص 16/18

۵۸. تدریب الراوی ، ص 25

۵۹. الکفایه فی علم الروایه، ص 175

۶۰. ترمذیؒ، امام، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ، (م 279ھ) ، "کتاب العلل مع الجامع الترمذیؒ.

۶۱. ایضاً.

۶۲. الانتقاء فی فضائل الا ئمة الثلاثة الفقهاء ص 257

۶۳. الکفایه فی علم الروایه، ص 231

۶۴. تدریب الراوی ، ص41

۶۵. مسلمؒ ، امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ ، (م 261ھ) " مقدمه مع الجامع الصحیح"

۶۶. ایضاً

۶۷. ایضاً

۶۸. کتاب العلل ا لترمذی

۶۹. الکفایه فی علم الروایه، ص 136

۷۰. مودویؒ سید ، ابو الا علی، "تفهیمات" ، ص 281

۷۱. الا نتقاء فی فضائل الا ئمة الثلاثة الفقهاء ، ص 281

۷۲. جامع بیان العلم و فضله، ص 186/2

۷۳. شیبانیؒ ، امام محمد بن الحسنؒ (م189ھ) ، "مؤطا امام محمدؒ کتاب اکتساب العلم

۷۴. العجاجؒ ، خطیب محمد العجاجؒ ، السنة قبل التدوین، ص 330، مکتبه و هبیه 14شارع الجمهوریه قاهر1383ه

۷۵. السنة قبل التدوین، ص 330

۷۶. جامع بیان العلم و فضله ، ص 34/2

۷۷. ذهبیؒ شمس الدینؒ، محمد بن احمدؒ، (م 748ھ)، تذکرة الحفاظ "، ص 76/1داراحیاء

التراث العربی.
۷۸. تدریب الراوی، ص40
۷۹. الکفایه فی علم الروایه، ص 262
۸۰. الموفق، موفق بن احمد مکیؒ، (م 568ھ) ، ''مناقب الامام الا عظم ابی حنیفہؒ
۸۱. عسقلانیؒ ، ابن حجرؒ، احمد بن علیؒ ، (م 852ھ)، ''تعجیل المنفعه بر جال الا ئمة الاربعه '' ، ص 4
۸۲. ابن جوزیؒ، عبدالرحمن بن علی محمدؒ ،(م 597ھ)، ''مناقب الا مام احمد حنبلؒ ، ص 22، لجنة احیاء التراث العربی بیروت ، لبنان
۸۳. ابو داؤدؒ ، امام، سیلمان ابن اشعت(م 275ھ)''السنن لابی داؤد ، کتاب الحج،''باب فی وقت الاحرام''.
۸۴. ابن کثیرؒ، حافظ ، ابو الفداء اسماعیل بن عمرؒ ،(م 774ھ) ، البدایه، ص 29/3، دارالریان ، مصر1408ھ
۸۵. الجامع الصحیح للمسلم ، کتاب صلوة المسافر ، ''باب کراهة الشروع فی نافلة
۸۶. الجامع المسند الصحیح ، ''باب من ادرک من الفجرر کعة''
۸۷. ایضاً ، ''باب الصلاة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس''
۸۸. الجامع للترمذیؒ ، ''باب ما جاء فی من تفو تد الر کعتان قبل الفجر''
۸۹. الجامع للترمذیؒ ، باب ما جاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس''
۹۰. السنن ، لابی داود، ''کتاب التطوع''، ''باب رکعتی الفجر''
۹۱. السنن ، لابی داود ، ''کتاب التطوع''، ''باب رکعتی الفجر''
۹۲. طحاویؒابو جعفرؒ ، امام احمد بن محمدؒ، (م321ھ) معانی الآثار، ص 118/1
۹۳. ایضاً ، ص 118/1
۹۴. ابن حزمؒ، حافظ ، علی بن محمدؒ، (م 456ھ)، ''الا حکام فی اصول الا حکام'' ص 21/2
۹۵. نیل الاوطار، ص 72/3
۹۶. شرح معانی الآثار، ص 358/2
۹۷. عسقلانیؒ، ابن حجرؒ، احمد بن علیؒ ، (م852ھ)، ''فتح الباری''، ص 363/3
۹۸. مسلم بن الحجاج القشیر ی (م261ھ) کتاب الکنی و الا سماء،

ص 174/1 ، طبع حید ر آباد دکن.

۹۹. جامع بیان العلم وفضله، ص 158/2

۱۰۰. هدی الساری مقدمه فتح الباری، ص 479/2

۱۰۱. حجةالله البالغة ،باب اسباب اختلاف الفقها 144/1،

۱۰۲. عسقلانیؒ، احمد بن علی (م 852ھ). ابن حجر، بلوغ المرام من ادلة الاحکام مع تعلیقات الشیخ صفی الرحمن مبارکپوری.

۱۰۳. کتاب الاثار مع التعلیق المختار ویلیه الاثار بمعرفة رواة الاثارلابن حجر باب الوضوء من مس الذ کر ص 163

۱۰۴. االجامع الصحیح المسلم ، کتاب الصلوة باب من احق بالامامة.

۱۰۵. الجامع الصیحح للبخاری کتاب مواقیت الصلوة ، باب ، باب الابراد بالظهر فی شدة الحر.

۱۰۶. کتاب الاثار باب مواقیت الصلوة ص 173

۱۰۷. ولی اللّٰہ شاہ ،حجة الله البالغه 388/1